انسانیت کی تعمیرِ نو اور اسلام

عبدالحمید ایم۔اے

(۶)

کسی نظامِ حیات کی صحت یا عدمِ صحت کا بالعموم دو طریقوں سے اندازہ کیا جاتا ہے: ایک نظریاتی اور دوسرا عملی۔

نظریاتی اعتبار سے یہ دیکھا جاتا ہے کہ یہ نظام جن بنیادی افکار پر قائم ہے، اُن میں کہاں تک صداقت ہے، اُن میں کس درجہ کا باہمی ربط و تطابق پایا جاتا ہے اور یہ افکار کس حد تک حقیقت کے سانچوں میں ڈھلنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

عملی نقطۂ نظر سے اس امر کو جاننے کی کوشش کی جاتی ہے کہ کوئی نظریہ آشنائے تعبیر ہو کر کس طرح نوعِ انسانی کے لیے مفید اور کارآمد ہو سکتا ہے۔

پچھلے صفحات میں ہم نے اشتراکی افکار کا ایک سرسری سا جائزہ لے کر یہ بتایا ہے:

- اشتراکیت نے زندگی کی میکانکی توجیہ پیش کر کے انسان کو انسانیت کے درجہ سے گرا دیا ہے۔
- اس نے اپنے سارے فکر کی بنیاد اس مفروضہ پر اٹھائی ہے کہ انسان فطرتاً شرارت پسند ہے۔ اس سے کسی خیر کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ لہٰذا اس پر جب کبھی بھی اعتماد کیا گیا تو اس نے نقصان ہی پہنچایا۔
- یہ دنیا اور اس کے سارے اسباب و وسائل ایک لاوارث مال ہے جس کا کوئی مالک اور خالق نہیں۔
- انسان اپنے اعمال کے لیے کسی بالاتر ہستی کے سامنے جواب دہ نہیں۔
- مذہب و اخلاق، حشر و نشر سب ڈھکوسلے ہیں جن کو سرمایہ داروں نے محض اپنے ناجائز مفادات کی حفاظت کے لیے گھڑ لیا ہے۔
- جائز و ناجائز، "خوب، و ناخوب" کے معیار سراسر اضافی ہیں جو زمان و مکان کی تبدیلی کے ساتھ ہر آن

بدلتے رہتے ہیں۔

• دنیا کے سارے افکار و اعمال کا اصل خالق اُس عہد کا معاشی ماحول ہے۔

ان بنیادی تصورات پر اشتراکی تحریک کی عظیم الشان عمارت تعمیر کی گئی۔ اور لوگوں کو بتایا گیا کہ دنیا کی ساری برکتیں اسی کو اپنانے سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ جو قوم بھی اسے قبول کرے گی اُسے اس دنیا میں جنت کی نعمتیں حاصل ہونگی۔ خصوصاً:

• اُس کے اندر طبقاتی تقسیم نا پید ہو گی۔

• ملک کا دولتمند طبقہ کسی دوسرے گروہ پر مظالم نہیں ڈھائے گا۔

• "مساوات شکم" کے اصول پر کاربند ہونے سے معاشرتی عدل حاصل ہو گا۔

• اس سوسائٹی کے سارے کام ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت سرانجام پائیں گے۔ لہٰذا جو فرد بھی جس شعبۂ زندگی کے لیے سب سے زیادہ موزوں ہو گا اُسے وہیں لگایا جائے گا اور اس طرح قوم کا زیاں نہیں ہو گا۔

• ریاست جو جبر کا سب سے بڑا اوزار ہے، خود بخود ختم ہو جائے گی۔

اشتراکیت جس راستہ سے ان مقاصد کو پہنچنا چاہتی ہے اُس کے بنیادی اصول یہ ہیں:

(ا) دولت کی شخصی ملکیت کا استیصال کر دیا جائے۔

(ب) دولت اور وسائل دولت آفرینی پر تمام حقوق مالکانہ جماعت کو حاصل ہوں۔

(ج) دولت آفرینی اور تقسیم دولت کا پورا انتظام جماعت کے ہاتھ میں ہو جس کی طرف سے حکومت اس وظیفہ کو سرانجام دے۔

مارکس اور اس کے رفقائے کار نے ان عزائم کا مختلف طریقوں سے اظہار کیا ہے۔ چنانچہ منشورِ اشتراکیت کے شروع ہی میں ان کی یوں صراحت کی گئی ہے۔

"سرمایہ داروں نے جو ظلم و فتنہ دبرپا کر رکھا ہے اس کا واحد علاج یہ ہے کہ دنیا سے جماعتی تفرقوں کو مٹا دیا جائے۔ عمرانی زندگی کے مصائب و آلام صرف جماعتی انتظامات کی بنا پر ہیں اور اس کا ازالہ مزدوروں کی جماعت کا برسرِ اقتدار آکر عالمگیر یکسانیت و مساوات پیدا کرنا ہے۔"

پھر کہا جاتا ہے:-

"اس تحریک کا مقصد وحید یہ ہے کہ دنیا سے ذاتی ملکیت اور شخصی و انفرادی حقوق کے خیال کو فنا کر دیا جائے اور اس طرح جب مزدوروں کی جماعت کو تسلط حاصل ہو جائے تو تدریجاً سرمایہ داروں کے تمام املاک و خزائن پر قبضہ کر لیا جائے اور یوں ملکی پیداوار کے تمام وسائل و ذرائع مزدوروں کی جماعت کی حکومت کے ہاتھ میں مرکوز کر دیئے جائیں۔"

اسی طرح انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا مدیر مارکس و لینن کی اسناد سے اشتراکیت کے حاصل الحصول کے متعلق لکھتا ہے:

"مشترکہ ملکیت، وسائل پیداوار کا اجتماعی نظم و نسق اور انفرادی و شخصی حقوق و املاک کا مکمل انقطاع، سوشلسٹوں کا نصب العین بیان ہے۔"

اس "مشترکہ ملکیت" کے نصب العین کا حصول بہرحال کوئی کھیل نہ تھا کہ بس ہنسی خوشی انجام پا جاتا۔ یہ ایک بڑا ہی سخت کام تھا جو برسوں تک مسلسل نہایت ہولناک ظلم و ستم کرنے سے پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ اور ایسا ہونا بالکل فطری امر تھا کیونکہ اس انقلاب کا مقصد لوگوں کے ہزاروں سالوں کے تصورات کو بیخ و بُن سے اکھاڑ کر اُن کی جگہ بالکل نئے تصورات اور اعتقادات کو رواج دینا تھا۔ یہ چیز انسان کی سرشت میں ہے کہ وہ اپنی محنت کے حاصل کا خود مالک اور مختار ہونا چاہتا ہے، وہ اپنی مساعی کی پیداوار کو "میری" کہنا چاہتا ہے۔ کارگہِ حیات میں جس قدر محنت اور جدوجہد بھی کی گئی ہے اُس کا بہت سا حصہ اسی خواہش کو پورا کرنے کے لیے صرف ہوا ہے۔ اب اگر انسانوں کا کوئی گروہ لاکھوں انسانوں کو اُن کی جائز املاک سے زبردستی بے دخل کرنے کا عزم کرے تو اُسے لامحالہ بیشمار انسانوں کے خون سے ہاتھ رنگنے ہونگے۔ چنانچہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے جس قدر ظلم و تشدد اور قتل و غارت ہوا ہے اس کا کچھ اندازہ ذیل کے اعداد و شمار سے ہو سکے گا جو مسٹر جون واٹن ہرڈ (JOHN WYNNE HIRD) نے اپنے تئیس سالہ قیام روس کے زمانہ میں فراہم کیے تھے اور جو ڈیلی گزٹ کراچی کی اشاعت مورخہ ۵، ۶ جون ۱۹۳۴ء میں شائع ہوئے تھے۔

تعداد مقتولین

اساقیف	۳۱
اہل خدمات کلیسہ	۱۵۶۰
جج، وکلا اور مجسٹریٹ	۳۴۵۸۵
اساتذہ اور طلبا	۱۶۳۶۷
سول حکام	۷۹۹۰۰
امراء و رؤسا	۶۵۸۹۰
فوجی افسر	۵۶۳۴۰
مزدور اور محنت پیشہ لوگ	۱۹۶۰۰۰
سپاہی اور ملاح	۳۶۰۰۰
کسان اور کاشتکار	۸۹۰۰۰۰

ان اعداد و شمار پر ایک نگاہ ڈالیے اور دیکھیے کہ کیا یونانیوں کی ستم ریزیاں، ایرانیوں کی شکر انگیزیاں اور ہلاکو خان کی قتل و غارت گری کی خون فشاں قیامت خیزیاں اس فہرست کے مقابلہ میں کوئی حیثیت رکھتی ہیں، اور اس ضمن میں یاد رہے کہ یہ نتائج اس اشتراکیت کے ہیں جس کے متعلق خود لینن کا دعویٰ تھا کہ یہ تحریک حکومت اور جنگ کی دہشتوں سے نجات دلانے کی صراطِ مستقیم ہے[1]۔

---

[1] اشتراکیوں کے ہاتھوں ان مظالم کا ڈھایا جانا کوئی خلافِ توقع بات نہیں بلکہ یہ سب کچھ اشتراکی تعلیم کے عین مطابق ہوا۔ مارکس کے منشور کے بعد تحریک اشتراکیت میں لینن کی کتاب ریاست اور انقلاب (STATE AND REVOLUTION) سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے اس میں درج ہے:

"سرمایہ داری نظامِ حکومت کی جگہ اشتراکیین کی حکومت کا برسرِ اقتدار آجانا تشدد آمیز انقلاب کے بغیر ممکن نہیں۔"

"مزدوروں کی جماعت کی آزادی تشدد آمیز انقلاب اور موجودہ حکومت کی مشینری کی مکمل

(باقی ۳۸۶ پر)

پھر یہ سارا ظلم اور تشدد بھی گوارا کر لیا جاتا اگر اس سے وہ نتائج حاصل ہو جاتے جن کی اشتراکیت دعویدار تھی۔ ذرائع پیداوار کو حکومت کی تحویل میں دے دینا اس کا اصل مقصود نہ تھا بلکہ یہ اصل نصب العین کو حاصل کرنے کا ایک موثر ذریعہ تھا۔ اس تحریک کا اصل مقصد مختلف انسانوں کے درمیان اجتماعی عدل کا قیام ہے۔ اشتراکیوں کا دعویٰ ہے کہ یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب افراد کے تسلط سے ذرائع پیداوار کو نکال کر انہیں پوری قوم کے حوالے کر دیا جائے۔ کیونکہ اسی طرح "مفاد ملکی" کی حفاظت ممکن ہے۔ افراد کی ملکیت میں ذرائع پیداوار کا ہونا اس بات کی علامت ہے کہ دنیا میں ظلم و جبر کا دور دورہ ہے، اور سرمایہ دار کمزوروں اور بے سہارا لوگوں کا خون چوس چوس کر اپنے شبستانِ عیش کے چراغ جلا رہے ہیں۔

اشتراکیت ساری دنیا میں نہ سہی، بلکہ صرف چند ممالک میں ذرائع پیداوار کو افراد کے ہاتھوں سے چھین کر حکومت کے سپرد کرنے میں کامیاب ہوئی ہے۔ مگر افسوس کہ اس عظیم الشان اور بنیادی تبدیلی کے باوجود جو لاکھوں انسانوں کا خون بہا کر عمل میں لائی گئی۔ عوام کو کوئی خاص فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ پہلے اگر ملک کا سرمایہ دار طبقہ ان کو لوٹتا تھا تو اب یہ "فرض" حکومت کے مقدس ہاتھوں سرانجام پاتا ہے۔ اس خونی انقلاب سے پیشتر اگر غریب مزدور کی محنت سے حاصل شدہ قدر زائد (SURPLUS VALUE) امیر ہتھیا لے گا، تو اب اس سے حکومت اور اس سے ذاتی مفاد وابستہ رکھنے والے اصحاب مستفید ہو رہے ہیں۔ فرق جو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۸۵) تخریب کے بغیر ممکن نہیں"۔

اسی طرح اینجلز کا ارشاد ہے:

"انقلاب ایک ایسا عمل ہے جس کی رو سے آبادی کا ایک حصہ دوسرے حصہ پر اپنا اختیار و ارادہ، قوت و استیلاء، نوکِ شمشیر، گولیوں کی بوچھاڑ اور آتشیں گولوں کے دھماکوں سے زبردستی مسلط کر دیتا ہے"۔

وی۔ اے ایدورسکی (V.A. ADORUTSKY) اپنی کتاب جدلی مادیت (DIALECTICAL MATERIALISM) میں لکھتا ہے:-

"نسلِ انسانی صرف قوتِ بازو سے جو اشتراکیت کی شکل میں موجود ہے، نیم بربریت کی زندگی اور افلاس، استبداد اور جہالت کے پنجہ سے رہائی پا سکتی ہے نہ کہ خدا کی مدد کے ذریعہ سے جس کے متعلق ہمارا یقین ہے کہ اس کا وجود ہی نہیں"۔

کچھ ہوا ہے وہ یہ کہ چھوٹے چھوٹے سرمایہ داروں کو نگل کر حکومت خود ایک بہت بڑے سرمایہ دار کی حیثیت سے قوت کے تخت پر متمکن ہو گئی ہے۔

علم معاشیات کا ایک مبتدی بھی اس حقیقت سے واقف ہے کہ جہاں سماج کے وسائل پیدائش کے استعمال کی عام آزادی ہو گی، وہاں قدر (VALUE) اشیاء، زر تبادلہ، اور منڈی سب کے سب بے معنی الفاظ ہونگے۔ کیونکہ کسی سماج میں بھی ان کا وجود اس حقیقت کا آئینہ دار ہے کہ وہاں افراد کو ذاتی ملکیت کا حق حاصل ہے۔ ایک فرد اسی شئے کا تبادلہ کر سکتا ہے جو اس کی ملک ہے۔ اور اسی عمل سے "قدر" معرض وجود میں آتی ہے۔ پھر اس قدر کو ناپنے کے لیے کوئی ایک معیار ہوتا بھی ضروری ہے اور اسی کو معاشیات کی اصطلاح میں سکہ کہا جاتا ہے۔ جس ملک اور قوم میں سکہ کا رواج ہو گا وہاں سماج کے مختلف طبقوں میں صرف معاشیات کے بل بوتے پر مساوات قائم نہیں کی جا سکتی۔

روس میں اجتماعی عدل کو حاصل کرنے کے لیے اوائل انقلاب میں سکہ کے استعمال کو ختم کیا گیا مگر چند سال گزرنے بھی نہ پائے تھے کہ روبل کا ثبت پورے " خلوص " کے ساتھ روسی منڈیوں میں بجنے لگا۔ ایم۔ لارین (M. LARINE) بوچرین (BUCHARINE) اور کریسنٹنشی (KRESTNSHI) نے حکومت کے اس " رجعت پسندانہ " اقدام کے خلاف آواز اٹھائی مگر اس کا کوئی اثر نہ ہوا بلکہ انہیں اپنی صاف گوئی کے الزام میں موت کی آغوش میں پناہ لینی پڑی۔

جو کچھ اوپر عرض کیا گیا ہے اس سے کہیں یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ معاشی لوٹ کھسوٹ اور جبر و استبداد کا اصل ذمہ دار سکہ ہے۔ بلکہ اس کا وجود تو اس بات کی شہادت ہے کہ سوسائٹی میں مختلف طبقے موجود ہیں، اور ان کے معیار زیست میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس کے ثبوت کے لیے ایک فرانسیسی کمیونسٹ کامریڈ یان (YUON) کی رائے قابل غور ہے۔ روس کے معاملات پر اس کی نظر سرسری اور سطحی نہیں بلکہ اس نے روسی مشین کے کل پرزہ کی حیثیت سے اشتراکیت کی تعمیر میں ایک نمایاں حصہ لیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے:۔

" روس کے اندر طبقہ وارینت پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ یہاں امراء بھی ہیں

اور غریب بھی، غالب بھی ہیں اور مغلوب بھی۔ ان کے معیار زندگی میں نمایاں تفاوت ہے۔ ریل کے ڈبوں، جہازوں اور ریستورانوں میں مختلف درجوں کا پایا جانا اس طبقہ واریت کی ایک کھلی اور بین دلیل ہے۔ کچھ خوش نصیب لوگ صحت افزا مقامات پر بڑے بڑے محلات میں نہایت آرام اور عیش کی زندگی بسر کرتے ہیں، مگر بہت سے سیاہ بخت جھونپڑوں تک کے محتاج ہیں۔ یہاں ذاتی ملکیت کا احاطہ نہایت ہی محدود ہے، بلکہ سب کچھ ریاست کے بت پر نچھاور کر دیا گیا ہے مگر ریاست مفاد عمومی کے لیے قائم نہیں کی گئی بلکہ اس کا فائدہ چند افراد کو حاصل ہوتا ہے۔ عوام کا فرض صرف ریاست کے بقا کے لیے جدوجہد کرنا ہے، اس کی بہتری کے لیے کوشاں رہنا، اس کا احترام کرنا اور اس سے خائف ہونا ہے۔ اس کو عوام کی بہتری اور خوشحالی سے کوئی سروکار نہیں۔ سرمایہ دارانہ ممالک کی پولیس سے کہیں زیادہ جبار اور قہار پولیس کمزوروں سے ان کی محنت کے ثمرات چھین کر ان کو برسر اقتدار طبقہ کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کر دیتی ہے۔ سرمایہ کے ارتکاز نے بلاشبہ ایک نئی جماعت کو جنم دیا ہے۔ مگر اس سے کہیں یہ لازم تو نہیں آتا کہ نئی جماعت صرف محنت کشوں پر مشتمل ہے۔ پہلے جس مقام پر سرمایہ دار فائز تھے اب وہاں بڑے بڑے حکام اور اعلیٰ افسران متمکن ہیں۔ غریب مزدوروں نے غلامی کی زنجیروں کو توڑا نہیں بلکہ بدلا ہے، اور یہ نئی زنجیریں پہلی زنجیروں سے کہیں زیادہ مضبوط اور وزنی ہیں۔ روسی عوام نے ۱۹۱۷ء میں اس انقلاب کو بڑی قربانیوں کے ساتھ پایہ تکمیل کو پہنچایا مگر روس کی باقی تاریخ اب صرف عیاری کی تذکرہ نگاری ہے جس کے دام میں عوام کو پھنسایا گیا ہے۔"

ممکن ہے اشتراکیت کے بعض پرجوش حامی یان (YUON) کی ان تصریحات کو محض یہ کہہ کر مسترد کر دیں کہ یہ شخص ایک مخلص کامریڈ نہ تھا بلکہ سرمایہ داروں کے ایجنٹ ہونے کی بنا پر اس نے "جنت ارضی" کو بدنام کیا ہے۔ اس لیے ہمیں ایک فرد کی رائے پر یقین کر کے کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہیے۔ بات کسی حد تک معقول اور وزنی ہے۔ ایک فرد یا چند افراد کی محض رائے سے کسی چیز کے متعلق کوئی قطعی اور حتمی فیصلہ صادر

نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے لیے مزید غور و خوض اور چھان پھٹک درکار ہے۔ مگر اس سے کہیں یہ لازم تو نہیں آتا کہ ہم ہر بات کو صرف اس لیے رد کر دیں کہ یہ "محض رائے" ہے۔ یہاں اصل کو نقل سے، حق کو باطل سے، بھلے کو برے سے، نفع کو نقصان سے ممیز کرنے کے لیے "روایت و درایت" کے چند متعارف اصول ہیں جن کی مدد سے یہ کام کیا جا سکتا ہے۔

اشتراکی حضرات کا رویہ اس معاملہ میں سب سے زیادہ دلچسپ ہے۔ ایک نہیں بلکہ ہزاروں اشخاص تحریکِ اشتراکیت کے علمبردار کی حیثیت سے اپنی جان تک کی بازی لگاتے ہیں۔ مگر جب یہ نظام واقعات کی دنیا میں ان کے سامنے آتا ہے تو بے اختیار ان کے منہ سے یہ بات نکل جاتی ہے ؏

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

اس آہ کے نکلتے ہی وہ غدار، عیار اور "دشمنِ ملک و ملت" قرار پاتے ہیں۔ اور کوئی غور نہیں کرتا کہ کل تک جو شخص "جانِ جہاں" تھا وہ آج کیونکر "ننگ وطن" ہو سکتا ہے۔ ان لوگوں کا درخشاں ماضی ان کے اخلاص پر پوری شہادت فراہم کرتا ہے۔ مگر روس کے صاحبِ اختیار طبقہ کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہیں۔

اختلاف، خواہ ٹراٹسکی کرے یا یان، اوٹلے کرے یا بیریا، سب کے سب جھوٹے، بے ضمیر اور ففتھ کالمسٹ ہیں اور ان کی کسی بات کو سننا اشتراکیت کے ساتھ بیوفائی کے مترادف ہے۔ روس کے اربابِ بست و کشاد نے یہ الزامات اپنے مخالفین پر اس شدت سے لگائے ہیں کہ آدمی یہ سوچنے لگتا ہے کہ گویا اشتراکیت کے حامیوں میں سے کوئی بھی مخلص اور دیانت دار نہیں۔ کیا اس تحریک نے ایک فرد بھی ایسا پیدا نہیں کیا جس کی سیرت پر مکمل اعتماد اور بھروسہ کیا جا سکے۔ کیا یہ سارا نظام ہی "غداروں" کے بل بوتے پر چل رہا ہے۔

چلیے ہم ایک لمحہ کے لیے یہی فرض کر لیتے ہیں کہ حکومت سے اختلاف کرنے والے سب جھوٹے اور مکار تھے۔ ان سے اشتراکیت کو کسی بھلائی کی توقع نہ تھی، انہوں نے آئیڈیل کے مقابلے میں ہمیشہ اپنے شخصی مفادات کو ترجیح دی۔ ہم اس بات کو بھی ایک منٹ کے لیے مان لیتے ہیں کہ آہنی پردے سے

چھن چھن کر حالات کی جو صورت وقتاً فوقتاً باہر آتی ہے وہ سب غلط اور کسی دشمن کی اڑائی ہوئی ہوائی ہے۔ مگر ان واقعات کو کس طرح نظر انداز کیا جا سکتا ہے جن کو اشتراکی حکومت نے خود تسلیم کیا ہے۔

اشتراکیت کی تحریک معاشی مساوات[1] کے اصول پر اٹھائی گئی۔ اسی جذبہ نے عوام کو سرگرم عمل کیا اور انہوں نے بے پناہ قربانیاں دیں مگر جب یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوا تو فوراً کہا گیا کہ ہمارے سامنے کب یہ مقصد ہے۔ چنانچہ سٹالن نے نہایت ہی واشگاف الفاظ میں کہا:۔

"یہ لوگ (معاشی عدم مساوات کی پالیسی کے خلاف آواز بلند کرنے والے بالشویک) شاید یہ سمجھتے ہیں کہ اشتراکیت مساوات کی داعی ہے، اور اس کا مقصد معاشرہ کے اراکین کی ضروریات اور ذاتی احتیاجات کے معیار کو مساوی کر دینا ہے، یہ لوگ ایک شدید غلط فہمی میں مبتلا ہیں، اشتراکیت کے پیش نظر ذاتی ضروریات اور احتیاجات زندگی میں برابری پیدا کرنا نہیں تھا، بلکہ صرف طبقہ واری تقسیم کو ختم کرنا تھا[2]"

اب سوال یہ ہے کہ کیا طبقہ واری تقسیم کا ختم کرنا بذات خود کوئی مقصد ہے یا کسی بلند تر مقصد کے حصول کا ذریعہ۔ ظاہر بات ہے کہ یہ از خود کوئی مقصد نہیں ہو سکتا۔ اس کے ختم کرنے سے بھوک، افلاس، جہالت، اور بیماری کا خاتمہ مقصود تھا۔ انیسویں صدی میں انگلستان کے مزدور جس فاقہ مستی کا شکار تھے۔ جس خستہ حالی اور مظلومیت میں مبتلا تھے انہوں نے مارکس[3] اور اس کے رفیق انجلز[4] کو غور و فکر پر ابھارا

[1] لینن کا قول ہے: "کسی اعلیٰ افسر کی تنخواہ کسی صورت میں ایک عام مزدور کی تنخواہ سے زیادہ نہ ہونے پائے۔"

[2] J. STALIN SEVENTEENTH CONGRESS OF C.P.N.S.N. 1934.

[3] سرمایہ میں وہ کہتا ہے: "اگر آگیر کے قول کے مطابق سکہ دنیا میں انسانی رخساروں پر خون لاتا ہے تو اس کے مقابلہ میں سرمایہ مزدوروں کے جسم کے ہر مسام سے خون نچوڑتا ہے۔"

[4] اینجلز نے ان احساسات کا اظہار یوں کیا ہے:۔

"اگر مزدور اتنا خوش نصیب ہے کہ اسے کام مل جائے، یعنی سرمایہ دار اس پر صرف اتنی نوازش کرے کہ اسے اپنے آپ کو دولتمند بنانے کا ذریعہ بنائے۔ تو اس صورت میں اس بدنصیب کا معاوضہ

(باقی صفحہ ۳۹۱ پر)

اور وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس بربادی کا اصلی سبب ذرائع پیداوار کی انفرادی ملکیت ہے۔ اس کے ختم کرنے سے طبقہ واریت دفن ہوگی اور اس کے "پسماندگان" خواہ قیامت تک زندہ رہیں مگر انہیں یہ ہمت نہ ہوگی کہ سماج کے کسی طبقہ کو اپنی حرص و ہوا کا آلۂ کار بنا سکیں۔ اب اگر طبقہ واریت کی موت سے صرف یہی مراد ہے کہ کسی ملک میں انفرادی ملکیت کا یکسر خاتمہ کردیا جائے تو اس لحاظ سے روس میں کوئی طبقاتی تقسیم نہیں۔ اگر ناجائز انتفاع کا مطلب صرف اسی قدر ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام میں بیچارا مزدور اپنے آپ کو ایک صاحب جائداد انسان کے ہاں اپنی محنت کو بیچنے پر مجبور پاتا ہے تو اس نقطۂ نظر سے روس میں کوئی استحصال (EXPLOITATION) نہیں، کیونکہ وہاں کسی فرد کو بھی ایک خاص مالیت سے زیادہ جائداد رکھنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ مگر یہ ناجائز انتفاع، استحصال، اور لوٹ کھسوٹ کوئی ایسی روحانی اور قلبی کیفیات نہیں جن کو کسی محسوس شکل میں دیکھا نہ جاسکے۔ یہ وہ افعال ہیں جن کے نتائج اس آب و گل کی دنیا میں ٹھوس صورتوں میں ہمارے سامنے ظاہر ہوتے ہیں۔

جس طبقہ اور سوسائٹی میں ان کی "گرم بازاری" ہوگی وہاں انسان دو مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے ہونگے۔ ایک مزدوروں کی محنت سے ناجائز فائدہ اٹھانے والے، اور دوسرے محنت بیچنے والے۔ ان کو پہچاننے کے لیے کسی زیادہ علم اور تجسّس کی ضرورت نہیں۔ ہر انسان بادی النظر میں انہیں جان سکتا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۹۰) صرف اسی قدر ہے کہ وہ بڑی مشکل سے جسم اور روح کے رشتے کو قائم رکھ سکتا ہے۔ اگر اُسے کام نہیں ملتا تو وہ مجبوراً چوری کرتا ہے۔"

وہ پھر لکھتا ہے:-

"وہ آلو جو بالعموم غربا خریدتے ہیں نہایت ناقص ہوتے ہیں، وہ باسی پنیر اور نہایت ہی گھٹیا قسم کے گوشت کو بطور غذا کے استعمال کرتے ہیں۔ غذا میں عام طور پر ملاوٹ کی جاتی ہے مگر اس کا سب سے زیادہ نقصان غربا کو برداشت کرنا پڑتا ہے کیونکہ امرا زیادہ قیمت ادا کرکے اچھی دکانوں سے مال خرید سکتے ہیں۔" (انگلستان کے مزدور طبقہ کے حالات (CONDITION OF WORKING CLASSES IN ENGLAND

ہے۔ دنیا میں جس جگہ عالیشان محلات کے پہلو میں جھونپڑے موجود ہوں، عیش وعشرت کے مقابلے میں افلاس دکھائی دے۔ آرٹ، کلچر کے مقابلہ میں جہالت نظر آئے۔ صحت اور تندرستی کے مقابلہ میں بیماری پائی جائے، وہاں سمجھ لیجئے کہ طبقہ واریت کا دیو حکومت کر رہا ہے۔ سرمایہ دار اور مزدور کی زندگیوں کے معیار میں تفاوت ہی طبقاتی تقسیم کے وجود کی سب سے بڑی شہادت ہے۔ لیون ٹراٹسکی (LEON TROTSKY) اپنی تصنیف "فریب انقلاب" (REVOLUTION BETRAYED) میں روس میں استحصال کی علامات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"جہاں تک عوام کا تعلق ہے نہ ان کے پاس مویشی ہیں اور نہ باغات۔ اور اکثر تو مکانوں تک سے محروم ہیں۔ ایک مزدور کی سالانہ آمدنی بارہ سو پندرہ سو روبلز ہے۔ روس میں یہ آمدنی ضروریات زندگی کی گرانی کے مقابلہ میں اس قدر کم ہے کہ اس سے سانس تک کو برقرار رکھنا محال ہے۔ لوگوں کی بود و باش (جو کسی قوم کے معیار زیست کی سب سے بڑی اور قابل اعتماد نشانی ہے) نہایت ابتر ہے۔ محنت کشوں کی عظیم اکثریت چھوٹے چھوٹے اور خستہ حال جھونپڑوں میں جانوروں کی طرح رہتی ہے۔ . . . یہ واقعات اس قدر زیادہ ہیں کہ انہیں بیان نہیں کیا جا سکتا"[1]

اس طرح فینر براک وے (FENNER BROCK WAY) نے اپنی تالیف "محنت کشوں کے محاذ" (WORKERS FRONT) میں اس اندوہناک صورت حالات کا یوں تذکرہ کیا ہے:۔

"روس میں جہاں مزدوروں نے ۱۹۱۷ء میں عدیم المثال فتح حاصل کی تھی، آمدنی میں تفاوت روز بروز بڑھتا جا رہا ہے اور اشتراکی سماج جس کی زندگی کا ساز معاشی مساوات کے تاروں پر چھیڑا گیا تھا اب حق وراثت کے اجرا کے بعد اپنی تان شدید قسم کی طبقہ واریت اور معاشی ناہمواری پر توڑ رہا ہے"

کامریڈ یون (YVON) نے روسی باشندوں کے معاوضوں کی جو تفصیلات دی ہیں وہ قابل غور ہیں:۔

---

[1] REVOLUTION BETRAYED = LEON TROTSKY PP 123-24.

کم سے کم تنخواہیں		زیادہ سے زیادہ تنخواہیں	
عام مزدور پیشہ لوگ	۸۰ روبل	عام مزدور پیشہ لوگ	۴۰۰ روبل
معمولی ملازمین	۸۰ روبل	معمولی ملازمین	۳۰۰ روبل
گھریلو نوکرانیاں	۵۰ روبل مع خوراک	گھریلو نوکرانیاں	۶۰ روبل مع خوراک
ماہر صنعت	۳۰۰ روبل	ماہر صنعت	۸۰۰ روبل
ذمہ دار منتظمین اور ماہرین	۱۵۰۰ روبل	ذمہ دار منتظمین اور ماہرین	۱۰،۰۰۰ "
بڑے بڑے پروفیسر آرٹسٹ اور مصنفین	۲۰،۰۰۰ "	بڑے بڑے پروفیسر آرٹسٹ اور مصنفین	۳۰،۰۰۰ "

یہ اعداد و شمار اس حقیقت کے آئینہ دار ہیں کہ روس میں آمدنی کے اعتبار سے ہر ایسا طبقہ موجود ہے، جس کو کوئی بڑے سے بڑا سرمایہ دارانہ نظام جنم دے سکتا ہے۔ یہ وہ بدیہی شہادتیں ہیں جن کا روس کے ارباب بست و کشاد تک نے دبی زبان میں اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ کامریڈ سیکمس (SEKIMS) رقمطراز ہے:-

"جنگ سے پیشتر ایک عام مزدور ۲۵ روبل اور ماہر صنعت ۵۰۰ روبل ماہوار تنخواہ پاتا تھا۔ اب یہ فرق ۶۰۰ روبل سے ۳۰۰۰ روبل تک پہنچ گیا ہے یعنی ایک ماہر منتظم یا بڑا افسر ایک عام مزدور کے مقابلہ میں ۵ گنا زیادہ تنخواہ پاتا ہے۔ ہم درحقیقت اپنے ماہرین کو ضرورت سے زیادہ تنخواہ دے رہے ہیں۔"

یہ تو ہے تنخواہوں میں تفاوت۔ پنشن میں یہ فرق اور بھی نمایاں ہے۔ ڈاکٹر بیزلی اپنی تصنیف "روس سوویٹ عہدِ حکومت میں (RUSSIA UNDER THE SOVIET RULE)" میں لکھتا ہے:-

"پنشن کی رقم جو روسی مزدور کو اپنی قوت کے زائل ہو جانے کے بعد دی جاتی ہے بہت ہی قلیل ہے اور اس وجہ سے وہ اس میں کوئی جاذبیت نہیں پاتا۔ یہ عام طور پر ۲۵ اور پچاس روبلز کے درمیان ہوتی ہے اور بہت ہی کم حالتوں میں ۷۰ یا ۸۰ روبل تک

پہنچتی ہے۔ جو شخص روس میں ۱۵۰ سے ۲۰۰ روبلز ماہانہ کماتا ہے وہ نہایت افلاس کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ ان حالات کے پیش نظر آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ ایک غریب محنت کش کے لیے ملازمت کی میعاد کا ختم ہونا کس قدر روح فرسا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ روسی مزدور ستر سال کی عمر پالینے کے بعد بھی ملازمت کو جاری رکھنے کے متمنی ہوتے ہیں۔ حکومت ایک طرف نہایت ڈھٹائی سے ایک مزدور کو جس نے اپنی عمر عزیز کے ۵۰ سال مشین کے سامنے کھڑے ہو کر گذارے ہیں صرف ۳۵ روبلز ماہانہ دیتی ہے۔ مگر اس کے برعکس اپنے اہل کاروں اور عہدہ داروں کو پندرہ سو روبلز سے نوازا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ تاحیات ان کے رہنے کے لیے ایک آرام دہ مکان کا انتظام بھی ہوتا ہے[1]۔"

کیا یہ سب شواہد اس بات کی غمازی نہیں کرتے کہ یہاں کے اعلیٰ طبقہ کی ساری عیاشیاں اس ملک کے "فریب خوردہ" انسانوں کی محنت کا ماحصل ہوتی ہیں۔ سرمایہ دارانہ ممالک میں غریبوں کا خون خود سرمایہ دار اپنے ہاتھوں سے نچوڑتا ہے اور یہاں یہ کام حکومت کی وساطت سے کیا جاتا ہے۔ روس کے با اختیار طبقہ کو جو جو فوائد حاصل ہوتے ہیں اُن میں ان مزدوروں کے علاوہ ان بدنصیب انسانوں کا بھی حصہ ہے جنہیں حکومت نے سائبیریا کے اجتماعی کیمپوں (CONCENTRATION CAMPS) میں قید کر رکھا ہے "یہ لوگ ایک نہ ختم ہونے والی غلامی میں گرفتار ہیں۔ انہیں سماج اور زندگی دونوں سے محروم کر دیا گیا ہے۔ امید کی کوئی کرن بھی اُن کی زندگی کے اندر حرارت اور حرکت پیدا نہیں کر سکتی۔ ان کے پاس سوائے غلامی کی زنجیروں کے اور کوئی چیز باقی نہیں[2]"

پھر یہ لوگ دس، بیس، سو یا ہزار نہیں بلکہ ان کی تعداد لاکھوں اور کروڑوں تک پہنچتی ہے۔

وکٹر کریوشنکو VICTOR KREVCHENKO نے اپنی کتاب "میں آزادی کو انتخاب کرتا ہوں" (I CHOSE FREEDOM) میں لکھا ہے:-

---

[1] DR. BASILY: RUSSIA UNDER THE SOVIET RULE

[2] DAVID J. DALLIN AND BORIS I. NICOLAEVSKY: FORCED LABOUR IN RUSSIA

"ہماری صنعت کا سب سے بڑا سہارا قیدیوں کی ایک بہت بڑی فوج تھی جس میں ہر آن اضافہ ہوتا جا رہا تھا - سرکاری حلقوں کا کہنا ہے کہ یہ تعداد کروڑوں سے بھی زیادہ تھی - اس تعداد میں چودہ سال سے لے کر سولہ سال تک کے بچے بھی شامل ہیں جن کو بالجبر اپنے والدین سے الگ کر کے سائبیریا بھیج دیا گیا - سوویٹ روس کی جنگی مصنوعات کا انحصار زیادہ تر انہیں غلاموں پر ہے"

اسی طرح بروکس اٹیکنسن (BROOKS ATKINSON) نے ماسکو سے واپس آکر اس حقیقت کا یوں اظہار کیا ہے :

"کوئی شخص بھی وثوق سے نہیں کہہ سکتا کہ اس وقت کتنے انسان جلاوطنی کی حالت میں ہیں یا قید و بند کی صعوبتیں جھیل رہے ہیں - لیکن اندازہ یہی ہے کہ ان کی تعداد ایک کروڑ اور ڈیڑھ کروڑ کے درمیان ہے"

آدم کی یہ مظلوم اولاد جس بے کسی میں اپنی زندگی بسر کرتی ہے وہ تاریخ انسانی کی ایک المناک داستان ہے - یہاں ہم اس کے صرف چند پہلوؤں کا تذکرہ کرتے ہیں :

"ان لوگوں کی خوراک کے بارے میں عام پالیسی یہ ہے کہ انہیں کم سے کم کھانا دیا جائے تاکہ حکومت کو ان کی محنت سے زیادہ سے زیادہ منافع حاصل ہو - فاقہ مستی کے دیو کو ان پر ہر وقت مسلط رکھا جاتا ہے اور زائد خوراک کا لالچ دے کر اُن سے اُن کی قوت کے مقابلہ میں کہیں زیادہ کام لینے کی کوشش کی جاتی ہے - چنانچہ ایسے بے شمار واقعات موجود ہیں جہاں ان قیدیوں نے مچھلی کا ایک ٹکڑا حاصل کرنے کے لیے جان تک کی پروا نہ کی اور اتنی بے جگری سے کام کیا ہے کہ جان تک جاتی رہی"[1]

ان سے کس ظلم اور تشدد کے ساتھ کام لیا جاتا ہے اس کا اندازہ کرنے کے لیے صرف اس بیان پر غور کیجیے :

"قیدیوں کو صبح چار اور پانچ بجے کے درمیان معمولی خوراک دے کر کام پر بھیج دیا جاتا ہے -

---

[1] FORCED LABOUR IN RUSSIA

یہاں وہ سات بجے شام تک کام کرتے ہیں۔ دن بھر کی محنت اور بھوک سے وہ اس قدر نڈھال ہو جاتے ہیں کہ اُن کے لیے اپنی بارکوں میں واپس آنا مشکل ہو جاتا ہے۔[۱]

اس ضمن میں اس امر کی صراحت کر دینا بھی ضروری ہے کہ ان کیمپوں میں جو شخص بھی لایا جاتا ہے وہ لازمی طور پر مجرم ہی نہیں ہوتا بلکہ ان میں خاصی تعداد اُن بے گناہوں کی بھی ہوتی ہے جن کی آزادی کو محض کسی منصوبہ کی تکمیل کے لیے سلب کر لیا جاتا ہے۔ حکومت اس بات کو اچھی طرح جانتی ہے کہ ان لوگوں پر وہ کم سے کم صرف کر کے زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کر سکتی ہے، اس لیے کسی اسکیم کے جاری کرنے سے پیشتر خفیہ پولیس کو اشارہ کر دیا جاتا ہے کہ سرکار عالی مدار کو اتنے افراد کی خدمات درکار ہیں۔ چنانچہ یہ "مقدس گروہ" ملک کے کونے کونے سے "غداروں" کو تلاش کر کے انہیں "پرولتاریہ حکومت" کے حضور میں پیش کر دیتا ہے تاکہ وہ ان سے اشتراکیت کی تعمیر میں مدد لے۔

پچھلے صفحات میں جو کچھ کہا گیا ہے، ان میں سے کوئی چیز بھی توقع کے خلاف نہیں۔ انہیں محض یہ کہہ کر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ یہ سٹالن اور اُس کے رفقاءِ کار کی غلط روش کے ثمرات ہیں۔ انقلاب سے لے کر آج تک روس میں جس قدر ظلم و ستم بھی ہوا ہے، جن جن طریقوں سے کمزوروں اور بے سہارا لوگوں کو لوٹا گیا ہے وہ سب اشتراکی نظامِ فکر کے طبعی اور لازمی تقاضے ہیں۔ اُس کی فطرت اور مزاج اسی قسم کی زندگی کو چاہتا ہے۔ اگر حالات اس کے برعکس ہوتے تو یہ چیز توقع کے خلاف ہوتی۔ اشتراکی حضرات کے طرزِ استدلال میں بنیادی خامی پائی جاتی ہے۔ اُن کے نزدیک:

- سرمایہ دار ظالم ہے۔
- کیونکہ وہ اس کی مدد سے کمزوروں کی محنت کا ثمر خود لے لیتا ہے۔
- اس لیے سرمایہ دار کی انفرادی ملکیت کو ختم کر دینا چاہیے۔
- انفرادی سرمایہ جب ایک جگہ مرتکز ہو کر ان لوگوں کے سپرد کر دیا جاتا ہے تو وہ اس سے ناجائز فائدہ حاصل نہیں کرتے۔

---

[۱] بحوالہ مذکور

مگر اس کے لیے علاج کیا سوچا گیا :-

• سرمایہ کو ایک جگہ جمع کر کے اُسے ایک ایسے ادارے کی تحویل میں دے دیا گیا جو بذات خود جبر اور ظلم کا آلہ ہے۔

• پھر اس ادارہ کا انتظام ایسے لوگوں کے سپرد کیا گیا جن کے نزدیک زندگی کا واحد مقصد مادی فوائد کا حصول ہے۔ اس سے زیادہ وہ کسی چیز کے قائل نہیں۔

• ان لوگوں سے آپ نے یہ توقع رکھی کہ اتنے بڑے وسائل ہاتھ میں آجانے کے بعد وہ عدل و انصاف کریں گے اور کسی شخص کو اُس کی محنت کے ثمرات سے محروم نہیں رکھیں گے۔ کس قدر دلفریب ہیں آپ کی یہ توقعات، کس قدر "مقدس" ہیں آپ کی یہ آرزوئیں، مگر کس قدر حیرت انگیز ہے آپ کی یہ سادگی جس کی وجہ سے آپ ان "اشتراکی معجزات" پر ایمان لانے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔

آیئے اب ہم ایک نظر میں یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ انسانیت نے اس انقلاب میں کیا کھویا اور کیا پایا۔ ضرورت سے زیادہ تفصیلات کو درکنار رکھتے ہوئے اس کے تیس سالہ دور کا جو حاصل ہمارے سامنے ہے وہ یہ ہے :-

• املاک کا منافع افراد کی جیبوں میں جانے کے بجائے حکومت کے خزانے میں آنے لگا۔

• نظام معیشت کے حکومت کی تحویل میں آجانے کی وجہ سے اس کی منصوبہ بندی ممکن ہو گئی۔

• ہر آدمی کو کام ملنے لگا۔

• مجموعی منافع کا ایک حصہ سوشل انشورنس کی مد میں صرف ہونے لگا۔

اس کے مقابلہ میں لوگوں کو اس کی جو قیمت ادا کرنا پڑی وہ یہ ہے :-

• انیس لاکھ جانیں اس انقلاب کی نذر ہوئیں، بیس لاکھ افراد کو نہایت وحشتناک سزاؤں کو برداشت کرنا پڑا۔ ۵۰ لاکھ کے قریب انسانوں کو ملک بدر کیا گیا۔

• مذہب و اخلاق کی ساری اقدار کو دلوں سے مٹانے کے لیے ظلم و تشدد کے بدترین طریقے اختیار کیے گئے۔

- لوگوں نے روٹی کے چند نوالوں کے لیے آزادی ایسی قیمتی چیز کو قربان کر دیا۔
- خدا سے غافل اور اخلاق سے عاری افراد کے ایک مختصر گروہ نے عوام پر ایک ایسا کلّی اقتدار مسلط کر دیا ہے جس کی نظیر اس دنیا میں نہیں ملتی۔
- اولادِ آدم کی ایک بڑی تعداد کو اپنے خیالات، اپنے جذبات، اپنے احساسات، اپنے ذوق، اپنے قلم، اپنی زبان اور اپنی ہر چیز کو اس گروہ کے سامنے گروی رکھنا پڑا۔

اِن حقائق کے پیشِ نظر ہر انسان خود یہ اندازہ کر سکتا ہے کہ کیا انسانیت نے وہ حیثیت امن و سکون پالی ہے جس کا اشتراکیت نے اُس سے وعدہ کیا تھا۔